(غلام گردش)

مکالمہ

پورا ملک بے یقینی کی کیفیت میں جا چکا ہے۔ یہ سلسلہ دو ڈھائی سال پہلے شروع ہوا اور اس وقت خوف بنکر پورے نظام کو لپیٹ میں لے چکا ہے۔ کوئی ادارہ، شخص اور کوئی بھی شعبہِ زندگی اس غیر مثبت تاثر سے محفوظ نہیں۔ یہ سب کچھ افسوس ناک نہیں ہے۔ کیونکہ صرف افسوس ناک کہنے سے معاملات کو صحیح طور پر جانچنا ناممکن ہے۔ یہ تو المناک ہے۔ اس پر مزید مسئلہ یہ کہ پورے ملک میں ایک بھی ایسا بشر نہیں جس پر سب کو کامل اعتماد ہو۔ جو قومی سطح پر اعتماد کی فضا کو واپس لا سکے۔ یہ سب کچھ ایک ایسے طوفان کا پیش خیمہ ہے جسکی شدت اور تباہی کا ہمیں ادراک ہی نہیں ہے۔ بین الاقوامی فضا مکمل طور پر ہمارے خلاف تقویت پکڑ چکی ہے۔

وجوہات تو بے انتہا ہیں۔ مگر چند بڑی بنیادی باتیں توجہ طلب ہیں۔ سب سے پہلے عرض کرونگا کہ پورے نظام میں ایک دوسرے کو معاف کرنے کی صلاحیت ختم ہو چکی ہے۔ نظام کی بات کر رہا ہوں۔ سارے ادارے اس لفظ میں شامل ہیں۔ پوری دنیا میں عام آدمی اپنے اپنے معاشروں کے قائدین اور اکابرین کے طرزِ عمل، بود و باش، سماجی، معاشی اور مذہبی خیالات سے حد درجہ متاثر ہوتے ہیں۔ قانون قدرت ہے کہ کوئی بھی قوم عملی اقدار کے حوالے سے معاشرتی نچلے طبقے کو کبھی اہمیت نہیں دیتی۔ مقتدر طبقہ ہی حقیقت میں رہبر اور قائدانہ رول ادا کرتا ہے۔ برصغیر کی ایک اور سنجیدہ روایت بھی ہے کہ اس علاقے میں کوئی بھی شخص اپنے خیالات اور اصولوں کی بنیاد پر قربانی نہیں دیتا۔ مجموعی طور پر ہم تمام لوگ ایک پختہ غلامانہ ذہنیت کے مالک ہیں۔ اِکا دُکا معمولی بغاوت کبھی بھی اس علاقے میں آزادی کی فکری لہر کو جنم نہیں دے سکی۔ خیالات کی وہ تلخ بغاوت جو یورپی ممالک میں شروع ہوئی اور جن باغیانہ خیالات کی پیروی کیلئے لاکھوں افراد مارے گئے۔ ہمارے خطے میں اس طرح کی ایک بھی مثال موجود نہیں ہے۔ غلامانہ ذہنیت میں ایک عجیب سی روش ہوتی ہے۔ اگر ایک گروہ یا شخص کسی بھی وجہ سے اقتدار پر قابض ہو جائے تو اسکا عمومی رویہ انتہا درجہ ظالمانہ اور بے رحم ہوتا ہے۔ عدل کو ایک مربوط پالیسی کے تحت ختم کیا جاتا ہے۔ یہ سب کچھ ہمارے ملک میں کامیابی کے ساتھ جاری و ساری ہے۔ معاف کرنے کی صلاحیت کی طرف واپس آتا ہوں۔ توجہ طلب بات یہ ہے کہ یہ صفت معاشرے سے کیسے ملکِ عدم روانہ کی گئی۔ سادہ سی وجہ تو یہ ہے کہ جو بھی شخص یا طبقہ ملک کے اقتدارِ اعلیٰ پر قبضہ کر لیتا ہے۔ اسے اندر سے اپنے تمام جرائم کا بھرپور علم ہوتا ہے۔ پتہ ہوتا ہے کہ کس کس جگہ دھوکے اور فریب سے اپنے مقابلہ کرنے والوں کو ختم کیا اور کس کس کی کمر میں خنجر گھونپا۔ احساس کبھی بھی لفظی طور پر ظاہر نہیں کیا جاتا مگر عملی طور پر ہر لمحہ اس پر عمل کیا جاتا ہے۔ مقصد صرف ایک ہوتا ہے کہ طاقت کو کسی بھی طرح اپنے قابو میں رکھا جائے۔ دعوی سے عرض کر سکتا ہوں کہ اس بدنصیب خطے میں آج تک کوئی بھی انتقال اقتدار اصولی بنیاد پر نہیں ہوا۔ ہر حکومت کو ایک منصوبے یا سازش کے تحت ناکام کیا جاتا ہے اور پھر اسے چمٹے سے پکڑ کر باہر بازار میں پھینک دیا جاتا ہے۔ مجموعی طور پر اقتدارِ اعلیٰ کی منتقلی کبھی بھی عام آدمی کے مفاد کو مدِ نظر رکھ کر نہیں کی گئی۔ جب حاکم، بذاتِ خود ایک اندورنی خوف یا تضاد کا شکار ہوگا تو قدرتی طور پر عدل اور معاف کرنے کی صلاحیت سے مفقود ہو جائیگا۔ اس میں کوئی بھی استثناء نہیں۔ اسکو فوجی اور جمہوری فرق سے بھی کشید نہیں کیا جا سکتا۔ ہمارے نظام میں متحارب فریق کی موت اور شکست ہی انصاف

کا دوسرا نام ہے۔اس زاویے سے دیکھیے تو آپکو پورے نظام میں منفی درجہ حرارت بہت زیادہ محسوس ہوگا۔ ہر ایک کی گردن پر دوسرے کا پاؤں ہے۔

آج کل جمہوریت بہت معتوب ہے۔ ہر ذی شعور، اسکے اچھے مستقبل کے متعلق پرچھائیوں کا شکار ہے۔مگر سوال یہ ہے کہ بالاخر جمہوریت ہے کیا۔اسکا مطلب کیا ہے۔کیا ایک اُدھورا سا الیکشن کروا کر مسند اقتدار سنبھال لینا واقعی جمہوریت ہے۔ ہر وقت اپنے ووٹوں کی تعداد بتا کر مرعوب کرنا کیا واقعی جمہوری نظام کی طاقت ظاہر کرتا ہے یا کسی کمزوری یا خوف کی۔ جمہوریت صرف اور صرف ایک نیم دلانہ الیکشن کا نام نہیں بلکہ ایک مکمل انسانی رویہ اور تہذیب ہے۔اسے آپ ایک نظام کا نام بھی دے سکتے ہیں۔یعنی جمہوریت دراصل ایک ذمہ داری ہے جس میں دیانت داری سے عام لوگوں کی بھلائی کیلئے کام کرنا سب سے معتبر چیز ہے۔اپنی ناکامیوں پر بروقت گرفت اور اسکے ذمہ داروں کو کیفر کردار تک پہنچانا اسی سکے کا دوسرا رخ ہے۔مقتدر طبقے کا سرکاری وسائل کو ذاتی استعمال سے دور رکھنا اور پائی پائی کا حساب دینا جمہوری نظام کی بنیادی خصوصیات میں شامل ہے۔اسکے علاوہ بھی اس جدید نظام کے کئی رخ ہیں۔مگر لوگوں کی فلاح اور مقتدر طبقہ پر کڑی قدغن اس نظام کی روایات ہیں۔ ویسٹ منسٹر جمہوریت اسکی عملی مثال ہے۔درست ہے کہ اسے مضبوط ہونے میں ڈیڑھ سے دو صدیاں لگی تھیں مگر جوہری نکتہ یہ بھی ہے کہ برطانوی ادارے اپنے جمہوری نظام کو درست سمت میں لیجانے میں کیسے کامیاب ہوئے۔صحیح سمت انتہائی اہم ہے۔ کیونکہ اگر سمت خدانخواستہ درست نہ ہوتی تو دو صدیوں میں بھی برطانیہ صرف اور صرف صفر ہوتا۔ بدقسمتی سے ہماری جمہوریت کسی صورت میں بھی درست سمت کی طرف گامزن نہیں۔شخصیت پرستی نے اس نظام کو پنپنے ہی نہیں دیا۔ہم کئی بار شخصیت، ادارے اور نظام کو گڈمڈ کر دیتے ہیں۔متعدد بار ایک انسان نظام بھی بن جاتا ہے، ادارہ بھی اور جمہور بھی۔ یہ طرزِ عمل اس درجہ خطرناک ہے کہ فردِ واحد کے نہ ہونے سے سب کچھ ختم ہونے کا تاثر ملنے لگتا ہے اور خوف ہر شخص کو لپیٹ میں لے لیتا ہے۔ پاکستان میں یہ سب کچھ بار بار ہوا ہے اور خدشہ ہے کہ دوبارہ ہونے جا رہا ہے۔ایوب خان سے شروع کیجئے اور اب تک آیئے۔عملی رویوں میں فوجی طالع آزماؤں اور سیاسی مقتدر لوگوں میں کسی قسم کا کوئی فرق نہیں۔ ہاں، شائد ایک فرق ہے، جب فوجی اقتدار پر قابض ہوتے ہیں تو انہیں عوامی بننے کا شوق ہو جاتا ہے۔ جب منتخب رہنما مسند اقتدار پر آتے ہیں تو ڈکٹیٹر بننے کی بھرپور کوشش کرتے ہیں یا کم از کم اداکاری ضرور کرتے ہیں۔خیر اب مستقبل میں کیا ہونے والا ہے۔اسکے بارے میں قطعی طور پر کوئی بھی کچھ نہیں کہہ سکتا۔کامیاب ترین نجومی بھی ہمارے آنے والے حالات کے حوالے سے بے بس سے نظر آتے ہیں۔

موجودہ صورتحال فکر انگیز ضرور ہے مگر ہرگز ہرگز خطرناک نہیں ہے۔کم از کم ہم اس ذہنی بلوغت پر آ چکے ہیں کہ ووٹ کی طاقت پر تھوڑا سا اعتماد کرنے لگے ہیں۔سیاسی سطح پر کشمکش ضرور بڑھی ہے مگر نظام میں سیفٹی ویلیو موجود ہے۔اب یہ بذات خود سیاست دانوں پر منحصر ہے کہ سرخ لکیر عبور نہ کریں۔دوبارہ عرض کرونگا کہ شخصیات سے بالاتر ہو کر معاملات سلجھانے کی ضرورت ہے۔مگر یہ ہوتا ہوا نظر آنا قدرے مشکل ہے۔جان بوجھ کر واقعات اور اہم لوگوں کے متعلق نہیں لکھ رہا۔کیونکہ اگر نظام کو تقویت دینی ہے تو صرف اور صرف مضبوط اداروں کے ذریعے ممکن ہے۔مگر اپنے قدموں پر کھڑے ہوئے ادارے بھی ناپید نظر آتے ہیں۔زمینی حقائق کے

اعتبار سے ہر ادارہ کا ہاتھ دوسرے کی شہ رگ پر ہے۔ یہ معاملہ بگڑ بھی سکتا ہے۔تکلیف دہ عمل یہ ہے کہ چند ادارے اپنا وہ کام نہیں کر رہے، جس کی انہیں تنخواہ ملتی ہے۔اسکو قدرے نظر انداز کر کے دیگر ملکی اداروں کو درست کرنے کے کام میں جتے ہوئے ہیں۔اندیشہ ہے کہ اس میں ذاتیات کا عمل دخل بھی ہوسکتا ہے۔ بے یقینی کی کیفیت کو بڑھاوا دینے کیلئے چند اخبارات اور ٹی وی چینل حد درجہ مشکل کردار ادا کر رہے ہیں۔کئی بار محسوس ہوتا ہے کہ کچھ افراد حکومت ہی کے نہیں بلکہ ملک کے خلاف بھی بھرپور طریقے سے کام کر رہے ہیں۔ایسے لگتا ہے کہ خواہشات کا ایک گھوڑا ہے اور اس پر بہت سے لوگ سوار ہیں۔ایک ہی وقت میں کوئی گھوڑے کو چابک مار رہا ہے تو دوسرا اسکی مالش کر رہا ہے۔ایک فریق اسے مشرق کی سمت لیجانا چاہ رہا ہے۔تو دوسرا فریق لگام پکڑ کر مغرب کی طرف لیجانے کی کوشش کر رہا ہے۔مسئلہ یہ ہے کہ گھوڑا صرف ایک ہے اور سوار متعدد۔لوگوں میں بھرپور تاثر پیدا کیا گیا ہے کہ کل پتہ نہیں، کیا ہو جائیگا۔آنے والے دن میں آسمان گر پڑیگا یا زمین پھٹ جائیگی۔اس افراتفری میں کوئی بھی اداروں کی تقویت کی طرف توجہ نہیں دے رہا۔ بلکہ اس سے بھی متضاد کام ہو رہا ہے۔ جو بچے کھچے چند ادارے موجود ہیں، انکو بھی بددلی اور ناکامی کی طرف دھکیلا جا رہا ہے۔

حل کیا ہے۔اس بے یقینی کو کیسے کم کیا جائے بلکہ ختم کیا جائے۔اس حوالے سے بھی مختلف حل بتائے جا رہے ہیں۔کوئی جلد الیکشن کروانے کی بات کر رہا ہے اور کوئی سرے سے الیکشن ہوتے ہوئے دیکھ ہی نہیں پا رہا۔کچھ مذہبی جماعتیں بھی تاریک گھاٹیوں کی طرف لے جا رہی ہیں۔ یہ بھی پتہ نہیں چل رہا کہ انکا اصل مقصد کیا ہے۔انتشار پھیلانے سے کس کو فائدہ ہوگا اور کس کو نقصان۔طالبعلم کی دانست میں سب سے پہلا قدم یہ ہونا چاہیے کہ تمام فریقین کے درمیان ایماندارانہ مکالمہ شروع کیا جائے۔ یہ کام کیا وزیراعظم شروع کر سکتے ہیں یا کوئی اور ادارہ۔اس مشکل سوال کا کسی کے پاس بھی کوئی جواب نہیں۔اگر تمام فریقین ایک ڈائیلاگ کی طرف نہیں جاتے اور دلیل کی بنیاد پر مسائل کو حل نہیں کرتے، تو بے یقینی کے بادل مزید گہرے ہو جائینگے۔کچھ عرصے کے بعد مکالمے کا عمل بھی بے معنی ہوسکتا ہے۔

راؤ منظر حیات